جدید دور میں اسلامی تمدن کی تعمیر نو: چیلنجز، مواقع اور لائحہ عمل

Rebuilding Islamic Civilization in the Modern Era: Challenges, Opportunities, and an Action Plan

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Syed Muhammad Hussain Kazmi
B.S. Education, Ethics, Education & Psychology; Al-Mustafa International University, Qum, Iran.
E-mail: kazmihussain419@gmail.com

Abstract:

Islamic civilization stands as one of the paramount civilizational traditions in human history. During the middle Ages, it made revolutionary contributions to the fields of knowledge, philosophy, culture, governance, and human values. The intellectual, societal, and spiritual services of Muslim thinkers, scientists, writers, and philosophers profoundly influenced not only the East but also various regions of the world, including Europe.

However, over time, internal strife, intellectual stagnation, political decline, and particularly the impacts of the colonial era, led this great civilization into a period of decay. In the 21st century, as the world navigates a new global order, industrial revolutions, and cultural clashes, the question of reconstructing Islamic civilization has become a critical imperative.

The primary aim of this paper is to present a comprehensive examination of the potential for this reconstruction, its contemporary obstacles, and a potential course of action. The significance of this study lies in its scope; it is not confined to an analysis of the past but also engages with present conditions and future possibilities. The paper asserts that the rebuilding of Islamic civilization is not merely a romantic ideal but a practical project, necessitating collective resolve,

strategic planning, and sustained effort.
It concludes on the hopeful note that if Muslim nations effectively mobilize their intellectual, cultural, and economic capacities, they can not only revitalize their great civilizational heritage but also play a significant role in shaping a balanced and humane civilizational paradigm on a global scale.

Keywords: Civilization, Islam, Contemporary Era, Reconstruction, Plan.

خلاصہ

اسلامی تمدن انسانی تاریخ کی نمایاں تہذیبی روایات میں شمار ہوتا ہے، جس نے قرونِ وسطیٰ میں علم، ثقافت، حکمرانی اور انسانی اقدار کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ مسلمان مفکرین، سائنسدانوں، ادیبوں اور حکماء کی علمی، معاشرتی اور روحانی خدمات نے نہ صرف مشرق بلکہ یورپ سمیت دنیا کے مختلف خطوں کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ تاہم، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ داخلی انتشار، فکری جمود، سیاسی انحطاط اور بالخصوص نوآبادیاتی دور کے اثرات نے اس عظیم تمدن کو زوال کی طرف دھکیل دیا۔ آج 21ویں صدی میں، جبکہ دنیا ایک نئے عالمی نظام، صنعتی انقلاب اور ثقافتی تصادم کے دور سے گزر رہی ہے، تمدنِ اسلامی کی تعمیرِ نو کا سوال وقت کی اہم ترین ضرورت بن چکا ہے۔
اس مقالے کا بنیادی مقصد تمدنِ اسلامی کی تعمیرِ نو کے امکانات، موجودہ رکاوٹوں اور ممکنہ لائحہ عمل کا جامع جائزہ پیش کرنا ہے۔ یہ مطالعہ ماضی کے تجزیے کے ساتھ ساتھ موجودہ حالات اور مستقبل کے امکانات کو بھی پیش نظر رکھتا ہے۔ مقالے میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ تمدنِ اسلامی کی تعمیرِ نو محض ایک رومانوی خواہش نہیں بلکہ ایک عملی منصوبہ ہے جس کے لیے اجتماعی عزم، حکمت عملی اور مستقل کوششوں کی ضرورت ہے۔ مقالے کا اختتام اس امید پر ہوتا ہے کہ اگر اسلامی ممالک اپنی علمی، ثقافتی اور معاشی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں تو وہ نہ صرف اپنی عظیم تہذیبی روایت کو از سرِ نو زندہ کر سکتے ہیں بلکہ عالمی سطح پر ایک متوازن اور انسانی اقدار پر مبنی تہذیبی نظام کی تشکیل میں بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

کلیدی الفاظ: تمدن، جدید اسلامی تمدن، عصر حاضر کے چیلنجز، تعمیر نو کی حکمت عملی۔

تعارف

مغربی تمدن نے جہاں انسان کو مادی سہولیات فراہم کیں، وہاں وہ روحانی اور معنوی سکون کی فراہمی میں ناکام رہا ہے۔ اس کے برعکس، اسلامی تعلیمات اس بات پر زور دیتی ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے انسان نہ صرف مادی

آسائش حاصل کر سکتا ہے بلکہ حقیقی معنوی اطمینان اور اخلاقی کمال بھی حاصل ہوتا ہے۔ تاریخی طور پر، اسلامی تمدن طویل عرصے تک عالمی سطح پر نمایاں رہا، تاہم داخلی کمزوریوں اور سماجی و سیاسی بحرانوں کے باعث اس کا زوال رونما ہوا، جبکہ مغربی دنیا نے صنعتی انقلاب اور تکنیکی ترقی (Technological Progress) کے ذریعے مادی زندگی میں نمایاں بہتری حاصل کی۔

اس پس منظر میں بعض مسلم معاشروں میں مغرب زدگی اور احساسِ کمتری نے ترقی کو صرف مغربی ماڈلز کی پیروی سے جوڑ دیا۔ موجودہ دور میں، مادی ترقی کے باوجود انسان روحانی اور نفسیاتی سکون سے محروم نظر آتا ہے۔ اسلامی بیداری، خاص طور پر ایران کے اسلامی انقلاب، کا بنیادی مقصد اسی کھوئی ہوئی تمدنی روح کو دوبارہ زندہ کرنا ہے۔ جدید اسلامی تمدن کا ہدف یہ ہے کہ سائنسی اور تکنیکی وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے مادی خوشحالی کے ساتھ معنوی سکون اور اخلاقی تربیت بھی فراہم کی جائے۔ اگرچہ اسلامی تمدن کی تعمیر نو کا عمل آسان نہیں اور مسلم معاشرے متعدد پیچیدہ مسائل سے دوچار ہیں، تاہم موجودہ چیلنجز اور مواقع کا علمی تجزیہ اور درست نشاندہی ناگزیر ہے۔ اس تناظر میں، ایک جامع اور واضح لائحہ عمل ترتیب دینا ضروری ہے تاکہ نوجوان نسل کو اسلامی تمدن کی بحالی اور ترقی کے لیے مؤثر طور پر تیار کیا جاسکے۔

تحقیقی پس منظر

اسلامی تمدن پر ہونے والی تحقیقات کے سابقہ جائزے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ خصوصاً بیسویں صدی کے اواخر میں، جب عالمِ اسلام کو شناخت کے بحران اور مغربی جدیدیت کے گہرے چیلنجز کا سامنا ہوا، تو ان مطالعات نے ایک نئے فکری مرحلے میں قدم رکھا۔ اس دور میں مالک بن نبی، سید حسین نصر، علامہ محمد اقبال اور محمد عابد الجابری جیسے مفکرین نے فلسفیانہ، تاریخی اور معرفتی زاویوں سے اسلامی تمدن کے زوال کے اسباب اور اس کی تجدید کے امکانات کا تنقیدی تجزیہ پیش کیا۔ بالخصوص مالک بن نبی نے "تمدن سازی کی صلاحیت" کے تصور کو مرکز بنا کر انسان، فکر اور وقت کے باہمی تعلق کو اجاگر کیا اور عالمِ اسلام میں تمدنی احیا کو ایک منظّم نظری فریم ورک کی صورت میں پیش کرنے والے اولین مفکرین میں شمار ہوتے ہیں۔ بعد ازاں ایسی تحقیقات سامنے آئیں جنہوں نے جدیدیت پر تنقیدی نگاہ ڈالی اور اسلامی فکری ورثے کی از سرِ نو قرات کے ذریعے اسلامی عقلانیت کی بازتعمیر اور دین، علم اور معاشرے کے باہمی ربط کی بحالی پر زور دیا۔[1]

حالیہ دہائیوں میں اسلامی تمدن کی تعمیر نو کا تصور ایک نظری اور اسٹریٹجک خاکے کے طور پر معاصر علمی مباحث میں، خصوصاً ایران اور عالمِ تشیع کے فکری ماحول میں، نمایاں حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اس رجحان سے وابستہ مطالعات محض اسلامی تمدن کے تاریخی پہلوؤں تک محدود نہیں رہیں بلکہ تمدنی مستقبل بینی، اسلامی ریاست کی

تشکیل، سائنسی ترقی، سماجی عدل اور مقامی علمی پیداوار جیسے موضوعات کو بھی مرکزی اہمیت دی گئی ہے۔ مجموعی طور پر اس میدان کی تحقیقات کو تین بنیادی دھاروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: اوّل، وہ نظری و مفہومی مطالعات جو جدید تمدن اسلامی کی معرفتی اور اقداری بنیادوں کی توضیح کرتی ہیں؛ دوم، تاریخی و تحلیلی تحقیقات جو ابتدائی اسلامی ادوار کے تمدنی تجربے کا جائزہ لے کر کامیاب تمدن سازی کے نمونے اخذ کرتی ہیں؛ اور سوم، وہ اسٹریٹجک و اطلاقی مطالعات جو عصرِ حاضر میں تمدنِ اسلامی کے عملی تقاضوں، جیسے علم و ٹیکنالوجی، نظامِ حکمرانی اور اسلامی طرزِ زندگی، پر توجہ مرکوز کرتی ہیں۔

یہ تحقیق اسلامی تمدن کے میدان میں موجود بنیادی متون اور معاصر مطالعات کے عمیق اور تنقیدی مطالعے کی بنیاد پر، اپنے منہج اور نتائج کے اعتبار سے سابقہ تحقیقات سے ایک واضح امتیاز رکھتی ہے۔ عام طور پر پیش کی جانے والی وہ کاوشیں جو یا تو محض نظری مباحث تک محدود رہتی ہیں یا تاریخی بیان پر اکتفا کرتی ہیں، ان کے برعکس موجودہ مطالعہ ایک ہمہ گیر زاویۂ نظر اختیار کرتا ہے اور فکری اصولوں، دورِ حاضر کے تمدنی چیلنجز اور عملی امکانات کے درمیان ایک مربوط اور بامعنی ربط قائم کرتا ہے۔ مزید برآں، تمدن سازی کے بنیادی عناصر کا منظّم تجزیہ کرتے ہوئے اور ساتھ ہی رکاوٹوں اور مواقع دونوں کو پیشِ نظر رکھ کر، یہ تحقیق تمدنِ نوینِ اسلامی کو محض ایک تجریدی یا نظری تصور کے بجائے ایک تدریجی، عینی اور قابلِ عمل منصوبے کے طور پر متعارف کراتی ہے۔

تمدن

تمدن (Civilization) ان پیچیدہ مفاہیم میں سے ہے جس کی کئی تعریفیں کی جاتی ہیں۔ فیروز اللغات میں تمدن کا لغوی معنی "مل کے رہنے کا طریقہ" اور "طرز معاشرت" بیان کیے گئے ہیں۔ انیسویں صدی میں انسانیات (Anthropology) کے مطالعات نے ابتدائی اقوام اور ان کی ثقافتوں کے ساتھ ساتھ ایشیا، افریقہ اور یورپ کی قدیم تہذیبی و تمدنی دنیا پر توجہ دی، جس کے نتیجے میں **ثقافت** اور **تمدن** کے تصورات ایک دوسرے کے قریب آ گئے اور بعض اوقات ہم معنی بھی سمجھے جانے لگے۔ تاہم مورخین اور ماہرینِ ثقافت نے ان دونوں اصطلاحات میں امتیاز قائم کرنے کی سنجیدہ کوشش کی ہے۔ اس تناظر میں تمدن سے مراد انسانی تخلیق کے وہ مادی اور ظاہری مظاہر ہیں جو تعمیرات، شہری منصوبہ بندی اور ٹیکنالوجی جیسے شعبوں میں جلوہ گر ہوتے ہیں، جب کہ ثقافت انسانی اجتماعی زندگی کے غیر مادی اور فکری پہلوؤں پر مشتمل ہوتی ہے، مثلاً رسوم و رواج، زبان، مذہبی تصورات اور علمی روایتیں۔ ایک دوسرے زاویۂ نظر سے تمدن کو ایسے وسیع اور منظّم سیاسی، سماجی، معاشی اور ثقافتی نظاموں کے مجموعے کے طور پر بھی دیکھا جاتا ہے جو جغرافیائی اعتبار سے ایک بڑے خطے میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اور ایک ہمہ گیر تاریخی وحدت تشکیل دیتے ہیں۔[2]

ڈورانٹ (Durant) کے مطابق تمدن کو عام طور پر ایک سماجی نظم کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے جس کی وجہ سے ثقافتی تخلیق ممکن ہوتی ہے اور اس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔[3] اسی طرح علامہ محمد تقی جعفری تمدن کی تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں: "تمدن سے مراد انسانوں کا ایک مربوط اور ہم آہنگ نظام ہے جو معقول زندگی، علمی روابط، اور تمام افراد و گروہوں کے اجتماعی اشتراک پر مبنی ہو۔ اس کا مقصد انسانوں کے مادی اور روحانی اہداف کو تمام مثبت پہلوؤں میں آگے بڑھانا ہے۔[4]" ان تمام تعریفوں کو مد نظر رکھتے ہوئے تمدن کے مفہوم کو سادہ زباد میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ تمدن سے مراد انسانی معاشرے کی وہ منظّم اور ارتقائی حالت ہے جس میں سیاسی، سماجی، معاشی اور فکری ادارے ایک مربوط نظام کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، اور جو مادی پیداوار، شہری زندگی، نظمِ حکومت اور اجتماعی شعور کے ذریعے ایک وسیع جغرافیائی خطے میں انسانی زندگی کو دوام اور تسلسل فراہم کرتی ہے۔

اگرچہ ثقافت اور تمدن کے درمیان گہرا تعلق پایا جاتا ہے، تاہم یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم نہیں ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ کسی معاشرے میں ثقافتی بالیدگی بتدریج اسے تمدنی درجے تک پہنچادے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی سماج اپنی داخلی ثقافتی نشوونما کے بجائے کسی دوسری تہذیب سے استفادہ یا اقتباس کے ذریعے ترقی کرے اور ایک ایسے تمدنی ڈھانچے پر انحصار کرے جو اس کے اصل یا مادر تمدن سے مختلف ہو۔ دوسری جانب یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ تمدنی ساخت سے محروم معاشرے بھی ثقافتی خصوصیات رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر آسٹریلیا اور افریقہ کے بعض مقامی قبائل کو اگرچہ تمدنی معنوں میں ترقی یافتہ نہیں کہا جاسکتا، تاہم وہ اپنی مخصوص مقامی ثقافت کے حامل ہیں جو عقائد، رسوم و رواج اور طرزِ حیات کے منظّم مجموعے پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس بناپر کہا جاسکتا ہے کہ انسانی اجتماعات خواہ کتنے ہی ابتدائی کیوں نہ ہوں، کسی نہ کسی صورت میں اپنی منفرد ثقافت ضرور رکھتے ہیں۔

1۔ عصر حاضر میں اسلامی تمدن کی تشکیل کے چیلنجز (مشکلات)

کسی بھی تمدن کی از سرِ نو تشکیل کے عمل میں سب سے بنیادی اور فیصلہ کن مرحلہ اس کو درپیش موجودہ چیلنجز کا عمیق فہم اور سنجیدہ تجزیہ ہوتا ہے۔ اصطلاحی طور پر چیلنج سے مراد ایسی پیچیدہ، کثیر الجہتی اور ہمہ گیر رکاوٹ ہے جو کسی متعین مقصد کے حصول میں بنیادی مزاحمت پیدا کرے اور جس کا مقابلہ کرنا آسان نہ ہو۔ تمدنی تناظر میں یہ چیلنجز بعض اوقات داخلی نوعیت کے ہوتے ہیں، جو کسی معاشرے کے فکری جمود، اندرونی کمزوریوں، اخلاقی زوال یا اجتماعی عدم توازن سے جنم لیتے ہیں۔ اس کے برعکس، کئی مواقع پر یہ رکاوٹیں بیرونی عوامل کے زیرِ اثر بھی سامنے آتی ہیں، جن کا بنیادی مقصد کسی تہذیب کی شناخت کو کمزور کرنا یا اس کے ارتقائی سفر کو محدود کرنا ہوتا ہے۔ تمدن کے تصور پر گہرائی سے غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عصرِ حاضر میں اسلامی تمدن کی تعمیرِ نو کے راستے میں متعدد چیلنجز حائل ہیں، جن میں سے چند اہم اور نمایاں چیلنجز کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

1.1۔ مغربی ثقافتی یلغار

عصرِ حاضر میں اسلامی معاشروں کو درپیش ایک نمایاں چیلنج مغربی تہذیب کا ثقافتی غلبہ ہے، جو جدید ذرائع ابلاغ، عالمی مواصلات اور معاشی اثر و رسوخ کے ذریعے اپنی اقدار و نظریات کو عالمی سطح پر پھیلا رہا ہے۔[5] مغربی ثقافت کی خصوصیات میں مادّہ پرستی، فردیت، سیکولرازم اور صارفیت شامل ہیں، جو معاشی ترقی کو زندگی کا غالب معیار قرار دیتی ہیں اور اسے عالمی پیمانے پر فروغ دیتی ہیں۔ اس عمل کے نتیجے میں مغربی اقدار نہ صرف معاشی اور تکنیکی شعبوں میں بلکہ ثقافتی اور فکری میدان میں بھی دیگر تہذیبوں پر غالب آ رہے ہیں، جس میں اسلامی معاشرے بھی شامل ہیں۔ معروف تحقیقی مطالعوں کے مطابق غربت اور مصرفیت کے عناصر مغربی تہذیب کا اہم حصہ ہیں اور وہ مقامی ثقافتی نظاموں، خاص طور پر اسلامی اقدار، کو متاثر کر رہے ہیں۔[6]

مغربی ثقافتی اثر و رسوخ کے نتیجے میں مسلم معاشروں میں خاندانی نظام، مذہبی اعتقاد اور معاشرتی روایات میں تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ جدید تحقیق بتاتی ہے کہ سوشل میڈیا اور گلوبلائزیشن نے مغربی طرزِ زندگی، لباس، تہواروں اور جشنوں کو فروغ دیا ہے، جس سے نوجوان نسل میں مغربی اقدار اپنانے کے رجحانات مضبوط ہوئے ہیں اور اسلامی روایات کمزور پڑتی جا رہی ہیں۔[7]

مزید برآں، مغربی ثقافت کا تعلیمی اور معاشی نظام بھی فکری انحصار اور مشترکہ عالمی نظام کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے، جس کے نتیجے میں مقامی نظریات اور اسلامی تعلیمات کا موقف ثانوی ہو جاتا ہے۔ تجزیاتی جائزوں کے مطابق مغربی تعلیم کے عالمی نفوذ سے اسلامی تعلیمات کی اہمیت میں کمی واقع ہو رہی ہے، جس کی وجہ سے نوجوان نسل میں خود غرضی، مادّہ پرستی اور اخلاقی کمزوری کے رجحانات سامنے آ رہے ہیں۔[8]

لہٰذا، مغربی ثقافتی اثرات صرف تکنیکی یا مواصلاتی ترقی تک محدود نہیں ہیں بلکہ اسلامی تمدن کی فکری، اخلاقی اور سماجی شناخت کے لیے ایک سنجیدہ چیلنج بن چکے ہیں۔ اس چیلنج کا مقابلہ اسی صورت ممکن ہے جب مسلمان معاشرے حکمتِ عملی، علمی تحقیق اور فکری مزاحمت کے ساتھ اپنے ثقافتی، اخلاقی اور مذہبی اقدار کو مستحکم کریں، تاکہ ایک متوازن اور اسلامی معیارات کے مطابق ثقافتی ہم آہنگی کا فروغ ممکن ہو۔

1.2۔ مسلمانوں میں تفرقہ بازی

عصرِ حاضر میں متعدد اسلامی ممالک جن سنگین مسائل سے دوچار ہیں، ان میں قومی اور مذہبی اختلافات ایک بنیادی اور ساختیاتی چیلنج کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ فرقہ وارانہ تقسیم اور نسلی تعصّبات نے نہ صرف مسلم معاشروں کے داخلی اتحاد کو کمزور کیا ہے بلکہ امتِ مسلمہ کی اجتماعی قوت کو بھی شدید نقصان پہنچایا ہے۔ متعدد مفکرین کے مطابق مسلمانوں کی اصل طاقت باہمی وحدت اور فکری ہم آہنگی میں مضمر تھی، مگر تاریخی عمل کے دوران فرقہ واریت کو فروغ دے کر اس قوت کو منتشر کر دیا گیا۔ یہ مسئلہ کسی ایک تاریخی دور تک محدود

نہیں رہا بلکہ صدیوں سے مختلف سیاسی، سماجی اور فکری حکمتِ عملیوں کے تحت اسے برقرار رکھا گیا، جس کے نتیجے میں مسلم دنیا مسلسل انتشار اور عدم استحکام کا شکار رہی۔[9] قرآنِ مجید نے امت کو تفرقے کے خطرات سے واضح طور پر آگاہ کرتے ہوئے باہمی نزاع کو کمزوری اور ناکامی کا سبب قرار دیا۔ (46:8)

یہ قرآنی ہدایت اس امر کی صریح دلیل ہے کہ اجتماعی نظم اور تہذیبی استحکام کے لیے وحدتِ امت ایک ناگزیر شرط ہے۔ تاریخی شواہد اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ قومی اور مذہبی اختلافات کو بعض اوقات استعماری طاقتوں نے دانستہ طور پر ہوا دی، جبکہ بعض ادوار میں داخلی مفاد پرست گروہوں نے بھی ان تقسیموں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا۔[10]

درحقیقت یہ قومی و مذہبی تقسیم امتِ مسلمہ کے علمی زوال اور روحانی کمزوری کی علامت بن چکی ہے۔ موجودہ دور کا عام مسلمان اگرچہ دین کے ظاہری احکام سے کسی حد تک واقف ہے، تاہم اسلام کی فکری گہرائی، اخوتِ اسلامی کے تقاضوں اور امتِ واحدہ کے تصور سے بڑی حد تک دور ہوتا جا رہا ہے۔ جب مذہب محض رسمی عبادات اور ظاہری شناخت تک محدود ہو جائے اور اس کی اخلاقی و فکری روح کمزور پڑ جائے تو وہ معاشرے کی تعمیر کے بجائے محض ایک علامتی مظہر بن کر رہ جاتا ہے۔[11] یہی فکری و روحانی خلا بیرونی قوتوں کے لیے ایک سازگار موقع فراہم کرتا ہے، جس کے ذریعے وہ مسلم معاشروں میں اختلافات کو ہوا دے کر اپنے سیاسی اور معاشی مفادات حاصل کرتی ہیں۔

علاوہ ازیں، جدید ذرائع ابلاغ اور بعض تعلیمی بیانیے بھی بعض اوقات عوامی شعور کو منقسم کرنے میں کردار ادا کرتے ہیں، کیونکہ ایک منقسم معاشرہ حقیقی مسائل پر توجہ دینے کے بجائے داخلی نزاعات میں الجھا رہتا ہے۔[12] اگرچہ یہ اختلافات بسا اوقات سیاسی مفادات اور فرقہ وارانہ تعصّبات کی بنیاد پر شدت اختیار کرتے ہیں، تاہم ان کی اصل جڑ مسلمانوں کی دینی تعلیمات کی روح سے دوری ہی قرار دی جا سکتی ہے۔ جب تک امتِ مسلمہ کے اندر حقیقی دینی شعور، فکری بصیرت اور روحانی وحدت پیدا نہیں ہوتی، اسلامی تمدن کی تجدید ایک مشکل مرحلہ ہی رہے گی۔ اس حقیقت کی طرف امیر المؤمنین حضرت علیؑ نے بھی اشارہ فرمایا ہے کہ اقوام کو عزت اور سربلندی اتحاد سے حاصل ہوتی ہے، جبکہ اختلاف اور تفرقہ ان سے نعمتوں کے زوال کا سبب بنتا ہے۔[13] چنانچہ یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تفرقہ اور انتشار اسلامی تمدن کے احیاء کی راہ میں ایک بنیادی رکاوٹ ہے، جس کے حل کے بغیر کسی پائیدار اور مثبت تبدیلی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

1.3۔ اسلامی معاشروں میں مادہ پرست سوچ کا غلبہ

مغربی تمدن کے گہرے اور دیرپا اثرات میں ایک نمایاں اثر مادہ پرستی (Materialism) کا فروغ ہے، جو اس تہذیب کے زیرِ اثر آنے والے معاشروں میں بتدریج فکری اور سماجی سطح پر سرایت کر جاتا ہے۔ جدید لبرل ازم کے

فکری ڈھانچے نے معاشی ترقی اور اقتصاد کی بالادستی کو انسانی اقدار پر فوقیت دے کر ایک ایسے عالمی تہذیبی تصور کو جنم دیا ہے جس میں اخلاقی، روحانی اور انسانی پہلو ثانوی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ بعض مفکرین کے مطابق اس طرزِ فکر میں انسان کو ایک اخلاقی وجود کے بجائے محض معاشی اکائی کے طور پر دیکھا جاتا ہے، جس سے انسانی وقار کا تصور کمزور پڑتا ہے۔[14] یہ مادہ پرستانہ سوچ، جو مغربی سیاسی، معاشی اور سماجی نظاموں میں گہرائی تک پیوست ہو چکی ہے، اپنے اثرات اسلامی معاشروں کی فکری ساخت میں بھی واضح طور پر ظاہر کر رہی ہے۔

اسلامی معاشروں میں اس اثر کا اظہار اس صورت میں ہو رہا ہے کہ سماجی اقدار کو بتدریج مادی پیمانوں سے جانچا جانے لگا ہے، اور انسانی زندگی کا مرکز و محور اخلاقی ذمہ داری یا روحانی مقصد کے بجائے مادی ترقی اور معاشی کامیابی بنتا جا رہا ہے۔[15] یہ مادی تصورِ حیات، جو جدید عسکری اور تکنیکی طاقت کے ساتھ جڑا ہوا ہے، اسلامی تعلیمات اور اخلاقی نظام سے ایک بنیادی نوعیت کا تصادم رکھتا ہے۔ قرآنِ مجید اس طرزِ فکر کے خطرات سے واضح طور پر متنبہ کرتا ہے: " اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔" (34:9)۔ اسی طرح رسولِ اکرم ﷺ نے دولت پر غیر معمولی انحصار کو سابقہ اقوام کی تباہی کا سبب قرار دیتے ہوئے اسے ایک اخلاقی خطرہ کے طور پر بیان فرمایا ہے۔[16]

مادہ پرستانہ فکر کے غلبے کے نتیجے میں معاشرتی ترجیحات میں نمایاں تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ انسانی کوششیں اجتماعی فلاح، اخلاقی بہتری اور سماجی انصاف کے بجائے زیادہ تر دولت کے حصول، معاشی برتری اور مادی نمود و نمائش کے گرد گھومنے لگی ہیں۔ اس تبدیلی کا سب سے تشویش ناک پہلو یہ ہے کہ یہ رجحان اسلامی ثقافت کی روح کو بتدریج معاشرتی زندگی سے خارج کر رہا ہے، جس کے نتیجے میں اسلامی اقدار کمزور اور ایک متوازن اسلامی تمدن کی تشکیل کے امکانات محدود ہوتے جا رہے ہیں۔ درحقیقت مادہ پرستی کا یہ پھیلاؤ محض ایک معاشی رجحان نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر فکری خطرہ ہے جو انسانی تعلقات کو مفاد پرستی کی بنیاد پر استوار کرتا ہے، معاشرتی یکجہتی کو نقصان پہنچاتا ہے، آخرت میں جوابدہی کے شعور کو کمزور کرتا ہے، اور اسلامی تہذیبی شناخت کو متاثر کرتا ہے۔ لہٰذا یہ فکری و عملی میدان مسلم مفکرین، دانشوروں اور سماجی رہنماؤں کی سنجیدہ توجہ کا متقاضی ہے، کیونکہ اس خطرے سے غفلت کا نتیجہ آئندہ نسلوں میں اسلامی تشخص کی مزید کمزوری کی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے، جو تمدنِ اسلامی کی تجدید کی کوششوں کے لیے ایک سنگین رکاوٹ ثابت ہوگا۔

1.4۔ مسلم معاشروں کی اقتصادی زبوں حالی

معاشی استحکام اور خود انحصاری عصرِ حاضر میں مسلم معاشروں کے لیے ایک بنیادی اور مسلسل درپیش چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کسی معاشرے کا کمزور اقتصادی ڈھانچہ نہ صرف اس کی مادی ترقی کو متاثر کرتا ہے بلکہ اس کے فکری، روحانی اور تہذیبی پہلو بھی اس کے منفی اثرات سے محفوظ نہیں رہتے۔ اسلامی فکر میں معاشی کمزوری کو محض ایک

مالی مسئلہ نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر سماجی اور اخلاقی چیلنج تصور کیا گیا ہے، اسی لیے اسلامی مصادر میں غربت، فقر اور معاشی ناہمواری کے خاتمے پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ احادیثِ نبویہ اور فقہی ذخیرے میں معاشی عدل، رزقِ حلال اور معاشرتی توازن سے متعلق تفصیلی مباحث اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ اسلامی تمدن کی پائیدار تشکیل مضبوط معاشی بنیادوں کے بغیر ممکن نہیں۔

اسلامی تناظر میں معاشی ترقی کا مقصد محض مادی خوشحالی یا دولت کا ارتکاز نہیں بلکہ ایک ایسے متوازن اور عادلانہ اقتصادی نظام کا قیام ہے جو بنیادی انسانی ضروریات کی تکمیل، معاشرتی طبقات کے درمیان فاصلے میں کمی، معاشی استحصال کے خاتمے اور تہذیبی و اخلاقی مقاصد کے حصول میں معاون ہو۔ اسلامی معاشی فکر اس امر پر زور دیتی ہے کہ معیشت انسان کے لیے ہو، نہ کہ انسان معیشت کے تابع ہو جائے۔ اسی اصول کے تحت زکوۃ، صدقات، وقف اور سود کی ممانعت جیسے احکامات ایک ایسے معاشی نظام کی تشکیل کرتے ہیں جو خود انحصاری، سماجی انصاف اور اجتماعی فلاح کو یقینی بناتا ہے۔

اس حقیقت کی وضاحت معروف اسلامی مفکر شہید مرتضیٰ مطہری نے نہایت جامع انداز میں کی ہے۔ ان کے مطابق انسانی معاشرے کی بنیادی ساخت اس کے معاشی اداروں سے وابستہ ہوتی ہے، جبکہ اس کی ثقافتی اور روحانی جہات اس کی روح کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جس طرح انسانی جسم اور روح کے درمیان گہرا باہمی تعلق پایا جاتا ہے، اسی طرح معاشرے کے مادی اداروں اور اس کے معنوی نظام کے درمیان بھی ایک مضبوط ربط موجود ہوتا ہے۔ شہید مطہری کے نزدیک جیسے جیسے معاشرہ آزادی، خود مختاری اور انسانی شعور کی بالادستی کی طرف ارتقا پذیر ہوتا ہے، ویسے ویسے ثقافتی اور اخلاقی اقدار کو مادی زندگی پر فوقیت حاصل ہوتی چلی جاتی ہے۔[17] اس تناظر میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر مسلم معاشرے معاشی خود انحصاری اور عدلِ اجتماعی کے اصولوں کو نظرانداز کریں تو نہ صرف ان کی اقتصادی ترقی متاثر ہو گی بلکہ اسلامی تمدن کی تجدید اور فکری بالیدگی بھی ایک مشکل ہدف بن کر رہ جائے گی۔

1.5۔ دانشور طبقے کا فکری انحراف

عصرِ حاضر میں اسلامی معاشروں کو درپیش ایک سنگین فکری المیہ یہ ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ ـــ جس میں علماء، دانشور، اساتذہ، ادبا اور ذرائع ابلاغ سے وابستہ افراد شامل ہیں ـــ دو واضح اور متضاد انتہاؤں میں منقسم ہو چکا ہے۔ ایک طبقہ وہ ہے جو مغربی تہذیب اور اس کے فکری سانچوں کو بلا تنقید قبول کرنے پر آمادہ نظر آتا ہے اور اسلامی اقدار کو ترقی اور جدیدیت کی راہ میں رکاوٹ تصور کرتا ہے۔ اس کے برعکس دوسرا طبقہ ایسا ہے جو بدلتے ہوئے سماجی، سائنسی اور تہذیبی تقاضوں کو سمجھنے سے انکار کرتے ہوئے ہر نئی فکر اور تبدیلی کو دین کے منافی قرار دے دیتا ہے۔ یہ فکری انتہاپسندی اسلامی معاشروں میں اعتدال، توازن اور تخلیقی فہم کو شدید نقصان پہنچا رہی ہے۔[18]

تعلیم یافتہ طبقہ کسی بھی معاشرے کی فکری اور تہذیبی تشکیل میں مرکزی کردار ادا کرتا ہے، کیونکہ یہی طبقہ سماجی رجحانات کی سمت متعین کرتا، اقدار کی تعبیر نو کرتا اور نئی نسل کے فکری زاویوں کی تشکیل میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر یہ طبقہ متوازن فکری رہنمائی فراہم کرے تو اسلامی تمدن کی تجدید کا عمل تیز ہو سکتا ہے، لیکن جب یہی طبقہ فکری انتشار اور نظریاتی تضاد کا شکار ہو جائے تو پورا معاشرہ فکری الجھن اور تہذیبی بے سمتی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس تناظر میں سماجی علوم کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ دانشور طبقہ محض معلومات کا حامل نہیں ہوتا بلکہ وہ معاشرتی اقدار کی تشکیل، ثقافتی ورثے کی منتقلی اور سماجی تبدیلیوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا ہے، اور اسی حیثیت سے وہ ثقافتی محافظ (Cultural Guardians) کے طور پر کام کرتا ہے جو اقدار کو محفوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ انہیں نئے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ بھی کرتا ہے۔[19]

تعلیم یافتہ طبقے کی فکری بے اعتدالی کے نتیجے میں نوجوان نسل شدید فکری بحران سے دوچار ہو رہی ہے۔ دین اور دنیا کے درمیان ایک مصنوعی تصادم کا تصور پروان چڑھ رہا ہے، اسلامی تہذیب کے بارے میں احساسِ کمتری جنم لے رہا ہے، اور اجتماعی اقدار میں انتشار مسلسل بڑھتا جا رہا ہے۔ تاریخِ تہذیب اس حقیقت کی شاہد ہے کہ تہذیبوں کے عروج و زوال میں فکری قیادت کا کردار بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ جب تعلیم یافتہ طبقہ اپنی اخلاقی اور تہذیبی ذمہ داریوں سے غفلت برتتا ہے یا اعتدال کی راہ چھوڑ دیتا ہے تو پورا معاشرہ اخلاقی اور تمدنی بحران کا شکار ہو جاتا ہے۔[20] حقیقی نشاۃِ ثانیہ اسی وقت ممکن ہے جب یہ طبقہ ثقافتی توازن (Cultural Equilibrium) کو برقرار رکھتے ہوئے روایت اور جدت کے درمیان ایک بامعنی ربط قائم کرے۔

اس پس منظر میں اسلامی معاشروں کی موجودہ صورتِ حال ایک ایسے مریض سے مشابہ قرار دی جا سکتی ہے جس کا علاج اسی وقت ممکن ہے جب معاشرے کے تمام مؤثر طبقات اپنی ذمہ داری کو پہچانیں۔ خصوصاً تعلیم یافتہ طبقے پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اسلامی اقدار کا شعوری علمبردار بنے، فکری اعتدال کو فروغ دے اور معاشرے کو ایک متوازن اور بامقصد سمت میں رہنمائی فراہم کرے۔ یہی طرزِ عمل موجودہ فکری بحران سے نکلنے اور اسلامی تمدن کی تجدید کے عمل کو آگے بڑھانے کا واحد مؤثر راستہ ثابت ہو سکتا ہے۔

2۔ عصر حاضر میں اسلامی تمدن کی تشکیل کے مواقع

کسی بھی تمدن کی تشکیل اس وقت ممکن ہوتی ہے جب اس کے بنیادی عناصر یعنی فعال انسانی سرمایہ، فکری و اخلاقی بنیاد اور مادی اور ادارہ جاتی وسائل ایک ہم آہنگ اور مقصدی نظام کی صورت اختیار کر لیں۔ اسلامی مفکرین، بالخصوص مالک بن نبی، تمدن کو انسان، فکر اور حالات (وقت و وسائل) کے باہمی تعامل کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔

عصر حاضر میں اسلامی تمدن کی تشکیل کے جن مواقع کا ذکر درج ذیل ہے، وہ در اصل انہی بنیادی عناصر کے فعال ہونے کی علامت ہیں۔ نوجوانوں کی کثیر آبادی تمدن کے انسانی عنصر کو تقویت دیتی ہے؛ مسلم دنیا کا جغرافیائی محل وقوع اور قدرتی وسائل تمدن کے مادی اور ادارہ جاتی عنصر کو مضبوط بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں؛ جبکہ اسلامی اخلاقیات اور ثقافتی ورثہ تمدن کی فکری اور اقداری بنیاد فراہم کرتے ہیں، جو اسے محض مادی ترقی کے بجائے انسانی اور اخلاقی سمت عطا کرتی ہے۔ اس طرح یہ مواقع الگ الگ عوامل نہیں بلکہ اسلامی تمدن کے بنیادی عناصر کے ظہور اور ان کے از سر نو فعال ہونے کا عملی اظہار ہیں۔ انہی عناصر کی روشنی میں عصر حاضر میں اسلامی تمدن کی تشکیل کے مواقع کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

2.1۔ نوجوانوں کی کثیر آبادی: توانائی اور جدت کا خزانہ

جدید اسلامی تمدن کی از سرِ نو تشکیل کے لیے سب سے بڑی قوت اور اہم موقع مسلم دنیا کی وسیع آبادی، بالخصوص نوجوان طبقہ ہے۔ ترقی پذیر معاشروں میں نوجوان آبادی ثقافتی توانائی اور تمدنی ارتقاء کے لیے بیک وقت مواقع اور چیلنجز پیدا کرتی ہے۔[21] عالمی سطح پر مسلم آبادی کا ایک نمایاں حصہ، خاص طور پر مشرقِ وسطیٰ، شمالی افریقہ اور جنوبی ایشیا کے کئی ممالک میں، تیس سال سے کم عمر نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ یہ نوجوان طبقہ محض عددی برتری کا مظہر نہیں، بلکہ ایک مؤثر انسانی سرمایہ (Human Capital) ہے، جو توانائی، تخلیقی صلاحیت، جدت پسندی (Innovation) اور تبدیلی کے لیے مضبوط جذبہ رکھتا ہے۔ جب کوئی معاشرہ اپنی مشکلات کا مؤثر طور پر مقابلہ کرتا ہے تو ترقی کی راہیں ہموار ہوتی ہیں، اور اس پورے عمل میں نوجوانوں کی توانائی فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے۔[22]

اگر نوجوان نسل کو معیاری تعلیم، متوازن تربیت، صحت مند سماجی ماحول، ہنر مندی کی مؤثر تربیت (Skill Development) اور مناسب معاشی مواقع فراہم کیے جائیں تو یہی طبقہ اسلامی تمدن کے ایک نئے دور کی بنیاد رکھ سکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ نوجوانوں کو جدید علوم، سائنسی و سماجی علوم (Social Sciences)، ٹیکنالوجی، انجینئرنگ، ریاضی، تخلیقی فنون اور کاروباری مہارتوں (Entrepreneurial Skills) کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کی حقیقی روح سے بھی آراستہ کیا جائے۔

اسلامی اخلاقیات اور اقدار کو جدید دور کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنے سے ایسی نسل کی تشکیل ممکن ہے جو نہ صرف معاشی ترقی میں کلیدی کردار ادا کرے بلکہ اسلامی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے سماجی انصاف، ثقافتی تخلیق اور سائنسی تحقیق کے میدان میں بھی فعال کردار ادا کر سکے۔ جن معاشروں میں نوجوان آبادی کا تناسب زیادہ ہوتا ہے، اگر اسے مثبت سمت دی جائے تو وہ غیر معمولی تخلیقی صلاحیت اور وسعت کا مظاہرہ کرتی ہے، لیکن اگر اسے نظر انداز کیا جائے تو یہی توانائی تباہ کن صورت اختیار کر سکتی ہے۔[23] لہٰذا نوجوان توانائی کی درست رہنمائی اور ان کی صلاحیتوں کا مؤثر استعمال اسلامی تمدن کی تعمیرِ نو کی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔

2.2۔ جغرافیائی بالادستی اور وسائل کی فراوانی

مسلم ممالک دنیا کے نہایت اہم جغرافیائی اور اسٹریٹیجک خطوں میں واقع ہیں، جو انہیں عالمی سیاست اور معیشت میں ایک نمایاں مقام عطا کرتے ہیں۔ بحرِ احمر اور خلیجِ فارس سے لے کر بحرِ ہند تک مسلم ممالک کا جغرافیائی پھیلاؤ انہیں اکیسویں صدی کی جغرافیائی سیاست کے مرکز میں لے آتا ہے۔[24] مشرقِ وسطیٰ کا خطہ عالمی توانائی کے ذخائر کا بنیادی مرکز سمجھا جاتا ہے، جبکہ مسلم دنیا بحیرۂ روم، بحرِ احمر، خلیجِ فارس، بحرِ ہند اور بحرِ جنوبی چین جیسی اہم آبی گزرگاہوں (Sea Lanes of Communication — SLOCs) پر بھی محیط ہے، جو بین الاقوامی تجارت کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ متعدد مسلم ممالک میں زرخیز زرعی زمینیں، اہم معدنی وسائل (جیسے پوٹاش، فاسفیٹ اور قیمتی دھاتیں) اور قابلِ تجدید توانائی کے بڑھتے ہوئے امکانات بھی موجود ہیں۔

یہ جغرافیائی اہمیت اور وسائل کی دستیابی مسلم دنیا کے لیے ایک غیر معمولی موقع فراہم کرتی ہے۔ مسلم ممالک کا جغرافیائی محلِ وقوع اور قدرتی وسائل انہیں عالمی معیشت اور سیاست میں ایک مؤثر کردار ادا کرنے کے قابل بناتے ہیں، جبکہ مشرقِ وسطیٰ کے توانائی کے ذخائر اور اہم آبی راستوں پر موجودگی اس خطے کو اسٹریٹیجک طور پر ناگزیر بنا دیتی ہے۔[25] ان وسائل کو محض خام مال کی برآمد تک محدود رکھنے کے بجائے، انہیں معاشی تنوع (Diversification) اور قدر میں اضافے (Value Addition) کے لیے بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ مسلم ممالک کو اپنے جغرافیائی فوائد اور قدرتی وسائل کو معاشی قوت میں تبدیل کرنے کی حکمتِ عملی اپنانی چاہیے، اور تیل و گیس سے حاصل ہونے والی آمدن کو صرف برآمدات کے بجائے مقامی صنعتوں اور بنیادی ڈھانچے کی ترقی میں صرف کرنا طویل المدتی ترقی کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

اہم آبی گزرگاہوں پر واقع ممالک باہمی تعاون کے ذریعے تجارتی مراکز (Trade Hubs)، لاجسٹک نیٹ ورکس اور سمندری تحفظ کے مؤثر نظام قائم کر سکتے ہیں۔ اسی طرح زرعی وسائل کو جدید ٹیکنالوجی کے ساتھ استعمال کرتے ہوئے غذائی خود کفالت حاصل کی جا سکتی ہے۔ اگر ان تمام وسائل کو اجتماعی سوچ اور دانشمندانہ منصوبہ بندی کے تحت استعمال کیا جائے تو مسلم ممالک نہ صرف معاشی خود انحصاری حاصل کر سکتے ہیں بلکہ عالمی سطح پر اپنی حیثیت کو مستحکم کرتے ہوئے اسلامی تمدن کی معاشی بنیادوں کو بھی مضبوط بنا سکتے ہیں۔

2.3۔ اسلامی اخلاقیات اور ثقافتی ورثے کی عالمی کشش: نرم طاقت کی بحالی

عصرِ حاضر کی دنیا مادیت، انفرادیت اور اخلاقی بحران جیسے مسائل سے دوچار ہے، ایسے ماحول میں اسلامی تعلیمات پر قائم اخلاقی نظام ایک مؤثر متبادل اور عملی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اس نظام کی بنیاد انصاف، رحم دلی، امانت داری، مضبوط خاندانی اقدار، اجتماعی فلاح (Social Welfare) اور ماحولیاتی ذمہ داری جیسے اصولوں پر استوار ہے، جو انسانی معاشروں کے لیے کشش، توازن اور اعتدال کا پیغام رکھتے ہیں۔ مزید یہ کہ مسلمانوں کا وسیع ثقافتی اور

علمی سرمایہ—جس میں فنِ تعمیر، خطاطی، ادب، طب، فلکیات اور فلسفہ جیسے شعبے شامل ہیں—صدیوں کی فکری اور تہذیبی ترقی کا حاصل ہے اور آج بھی عالمی سطح پر قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ اخلاقی اقدار اور ثقافتی ورثہ در حقیقت اسلامی تمدن کی نرم طاقت (Soft Power) کی بنیاد تشکیل دیتے ہیں، اور جدید دور میں ان کی عالمی کشش کو ایک اہم موقع کے طور پر دیکھنا چاہیے۔

اسلامی مالیاتی اصولوں (Islamic Finance) پر مبنی منصفانہ اقتصادی نظام، زکوۃ، خمس اور صدقات کے ذریعے سماجی تحفظ کے مضبوط ادارے، ماحول کے تحفظ سے متعلق اسلامی تعلیمات، اور خاندانی نظام کی مرکزیت جیسے پہلو دنیا کے سامنے ایک متوازن اور انسان دوست طرزِ زندگی کا عملی نمونہ پیش کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اسلامی ثقافتی ورثے کو جدید اسلوب میں پیش کرتے ہوئے—مثلاً عجائب گھروں، ثقافتی تبادلوں، فلم اور میڈیا کے ذریعے—مسلم معاشرے عالمی سطح پر اپنی تہذیب کی گہرائی اور جمالیاتی حسن کو مؤثر انداز میں اجاگر کر سکتے ہیں۔ اس نرم طاقت کو از سرِ نو متحرک کر کے اور اسے دانشمندانہ طریقے سے دنیا کے سامنے پیش کرتے ہوئے، مسلمان نہ صرف اخلاقی اور ثقافتی قیادت کی جانب واپسی ممکن بنا سکتے ہیں بلکہ ایک ایسا پر کشش اور امید افزا تمدنی ماڈل بھی تشکیل دے سکتے ہیں جو عصرِ حاضر کے چیلنجز کا جواب فراہم کرے۔

3۔ اسلامی تمدن کی تشکیل کا لائحہ عمل

مذکورہ بالا مباحث کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اگرچہ عصرِ حاضر میں اسلامی معاشرے فکری انتشار، ثقافتی دباؤ، معاشی کمزوری اور تعلیمی بے اعتدالی جیسے متعدد چیلنجز سے دوچار ہیں، تاہم یہ صورتِ حال کسی حتمی زوال کی علامت نہیں۔ اگر مسلم معاشرے اپنے داخلی امکانات، فکری وسائل اور تہذیبی سرمایے کو شعوری طور پر بروئے کار لائیں تو نہ صرف ان مشکلات پر قابو پایا جا سکتا ہے بلکہ ایک نئے اور متوازن اسلامی تمدن کی تشکیل کی راہ بھی ہموار ہو سکتی ہے۔ اس تناظر میں اصل سوال یہ نہیں کہ مسائل موجود ہیں یا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ ان رکاوٹوں کے بعد اسلامی تمدن کی تعمیر، استحکام اور تحقق کے لیے کس نوعیت کا فکری اور عملی لائحۂ عمل اختیار کیا جائے۔

اسی سوال کے جواب کی تلاش میں عصرِ حاضر کے ممتاز اسلامی مفکر اور رہنما حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای کے افکار کو بنیاد بنایا جاتا ہے، کیونکہ انہوں نے اسلامی تمدن کی تجدید کے حوالے سے محض نظری گفتگو نہیں کی بلکہ ایک منظّم، تدریجی اور عملی فکری نقشہ بھی پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک اسلامی تمدن کی تشکیلِ نو ایک ہمہ جہتی عمل ہے جو فرد کی اصلاح سے لے کر معاشرتی، فکری اور تمدنی سطح تک پھیلا ہوا ہے، اور جس کے لیے چند بنیادی اصولوں کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، جن کا جائزہ ذیل میں پیش کیا جائے گا۔

3.1۔ علم اور تحقیق

علم اور شعور کسی بھی قوم کی عزت، قوت اور پائیدار ترقی کی اساس سمجھے جاتے ہیں۔ مغربی دنیا نے علمی و تحقیقی بالادستی کے ذریعے نہ صرف معاشی وسائل اور عالمی اثر و رسوخ حاصل کیا بلکہ ایک طویل عرصے تک بین الاقوامی نظام پر اپنی برتری بھی قائم رکھی، اگرچہ اس عمل کے دوران اس کے اخلاقی اور اعتقادی اصول بتدریج کمزور ہوتے چلے گئے۔ علم کی اسی قوت کے ذریعے مغرب نے کمزور معاشروں پر اپنے تہذیبی تصورات مسلط کیے اور ان کے سیاسی و معاشی ڈھانچوں کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ اگرچہ علم کے اس استحصالی اور یک رُخی استعمال کی تائید نہیں کی جا سکتی، تاہم اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ معاشرتی ترقی اور تمدنی پیش رفت کی راہ علم، تحقیق اور فکری کاوش ہی سے ہموار ہوتی ہے۔ اسی تناظر میں مسلم معاشروں کے لیے علم، تحقیق اور فکری بالیدگی کو فروغ دینا ایک ناگزیر ضرورت بن چکا ہے۔ مزید یہ کہ مسلم اقوام میں علمی صلاحیت اور تحقیقی استعداد موجود ہے، جسے منظّم حکمتِ عملی کے تحت درست سمت میں بروئے کار لانے کی اشد ضرورت ہے۔[26]

3.2۔ روحانیت اور اخلاقیات

روحانیت سے مراد فرد اور معاشرے میں اعلیٰ معنوی اقدار کی نشوونما ہے، جو انسان کے باطن کو سنوارتی اور اس کے اعمال کو گہرائی اور دوام عطا کرتی ہیں، جیسے اخلاص، ایثار، توکل اور ایمان۔ اس کے مقابل اخلاقیات ان اجتماعی صفات کا نام ہے جو سماجی تعلقات کو بہتر بناتی ہیں، جن میں خیر خواہی، درگزر، صداقت، شجاعت، عاجزی اور خود اعتمادی شامل ہیں۔ روحانیت اور اخلاقیات کا باہمی امتزاج ہی اسلامی معاشرے کی اصل روح ہے، جو فرد کی شخصیت سازی کے ساتھ ساتھ اجتماعی ترقی اور تمدنی استحکام کے لیے بھی ناگزیر ہے۔[27] ان اقدار کی موجودگی میں معاشرہ محدود وسائل کے باوجود خوش حال بن سکتا ہے، جبکہ ان کے فقدان میں مادی ترقی بھی انسانی زوال کا سبب بن جاتی ہے۔ اسی لیے اسلامی تمدن کی حقیقی تعمیر روحانی اور اخلاقی اقدار کے احیاء سے مشروط ہے۔

معاشرے میں معنوی شعور اور اخلاقی حس کی افزائش ایک تدریجی اور ہمہ گیر عمل ہے جو تہذیبی ارتقاء کے تمام مراحل پر اثر انداز ہوتا ہے۔ جب یہ شعور مضبوط بنیادوں پر استوار ہوتا ہے تو اس کے اثرات فرد کی ذات سے آگے بڑھ کر اجتماعی طرزِ حیات کو متاثر کرتے ہیں اور اقدار کی صورت میں آئندہ نسلوں تک منتقل ہو جاتے ہیں۔ تاہم یہ عمل کسی فوری نتیجے کا حامل نہیں بلکہ ایک مسلسل فکری اور عملی جدوجہد کا تقاضا کرتا ہے، جس میں عوام اور ریاست دونوں کی ذمہ داری شامل ہوتی ہے۔ اس کا آغاز حکمرانوں اور قیادت کے اخلاقی کردار سے ہوتا ہے، کیونکہ ان کا طرزِ عمل معاشرے کے لیے سب سے مؤثر اور قابلِ تقلید نمونہ بن جاتا ہے۔ اسی تناظر میں ریاست کا کردار محض اخلاقی احکامات نافذ کرنے والے کے بجائے ایک معاون اور سہولت کار ادارے کا ہونا چاہیے۔

اخلاقیات کو جبر کے ذریعے نافذ نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس کے لیے ایسا سماجی ماحول تشکیل دینا ضروری ہے جہاں تعلیم، ذرائع ابلاغ اور ثقافتی ادارے شعوری طور پر اخلاقی اقدار کے فروغ کا ذریعہ بن سکیں۔

3.3۔ اقتصاد

معیشت کسی بھی قوم کی طاقت، خود مختاری اور اجتماعی استحکام میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ ایک مضبوط اور منظّم اقتصادی نظام بیرونی دباؤ، سیاسی مداخلت اور معاشی انحصار کے خلاف مؤثر تحفظ فراہم کرتا ہے، جبکہ کمزور معیشت قوم کو خارجی نفوذ اور داخلی عدم توازن کے لیے زیادہ حساس بنا دیتی ہے۔ دولت اور غربت محض مادی حالات تک محدود نہیں رہتیں بلکہ فرد اور معاشرے کی روحانی کیفیت، سماجی رویّوں اور اخلاقی ترجیحات پر بھی گہرے اثرات مرتب کرتی ہیں۔ اگرچہ اسلامی تناظر میں معیشت بذاتِ خود کوئی حتمی مقصد نہیں، تاہم اسے ایک ناگزیر ذریعہ تصور کیا جاتا ہے جس کے بغیر اعلیٰ اجتماعی اور تہذیبی اہداف کا حصول ممکن نہیں ہو پاتا۔[28] اسی بنا پر ایک خود کفیل اور متوازن معیشت کی تشکیل پر زور دیا جاتا ہے جو معیاری پیداوار، منصفانہ تقسیم، اعتدال پسندانہ مصرف اور مؤثر نظم و نسق پر استوار ہو۔ درحقیقت معاشی نظام نہ صرف معاشرے کی موجودہ حالت کی عکاسی کرتا ہے بلکہ اس کی آئندہ فکری اور تمدنی سمت کے تعین میں بھی بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

3.4۔ معاشرے میں انصاف کا قیام اور کرپشن کے خلاف جنگ

انصاف کا قیام اور بکرپشن کے خاتمے کی جدوجہد ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ معاشی، اخلاقی اور سیاسی کرپشن کسی بھی معاشرتی اور ریاستی نظام کو اندرونی طور پر کمزور کر دیتی ہے، اور جب یہ رجحان ادارہ جاتی سطح پر سرایت کر جائے تو ریاست کی قانونی حیثیت اور اخلاقی ساکھ شدید متاثر ہوتی ہے۔ تاریخی تجربہ اس حقیقت کی تصدیق کرتا ہے کہ اقتدار اور دولت کی کشش انسانی کمزوریوں کو ابھارتی ہے، یہاں تک کہ عہدِ امیر المؤمنین علیؑ جیسے مثالی دور میں بھی بعض افراد لغزش کا شکار ہوئے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی معاشروں میں اس خطرے سے مکمل تحفظ ممکن نہیں بلکہ مسلسل نگرانی اور اصلاح ناگزیر ہے۔[29]

عوامی وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم، اقربا پروری، اور معاشی جرائم میں ملوث عناصر کے ساتھ نرمی ناانصافی کو تقویت دیتی ہے اور کسی بھی عادلانہ نظام کے لیے ناقابل قبول ہے۔ اسی طرح محروم اور کمزور طبقات کو نظر انداز کرنا بھی عدلِ اجتماعی کی روح کے منافی ہے۔ اگرچہ یہ اصول آئینی و قانونی دستاویزات اور ریاستی پالیسیوں میں بارہا دہرائے جا چکے ہیں، تاہم ان کے مؤثر عملی نفاذ کی اصل امید نوجوان نسل سے وابستہ ہے۔ جب ریاستی ذمہ داریاں دیانت دار، باصلاحیت اور دینی و اخلاقی شعور رکھنے والے نوجوانوں کے سپرد کی جائیں تو ایک شفاف، منصفانہ اور قابلِ اعتماد نظام کے قیام کی حقیقی بنیاد فراہم ہو سکتی ہے

3.5۔ خود مختاری اور اجتماعی آزادی

خود مختاری اور اجتماعی آزادی کسی بھی باوقار اور مستحکم قوم کی شناخت کے بنیادی ستون سمجھے جاتے ہیں۔ خود مختاری سے مراد قوم اور ریاست کا سیاسی، فکری اور عملی سطح پر بیرونی دباؤ، تسلط اور جبر سے محفوظ ہونا ہے، جبکہ اجتماعی آزادی اس اصول کی نمائندگی کرتی ہے کہ افراد کو سوچنے، رائے قائم کرنے، فیصلہ کرنے اور سماجی عمل میں شرکت کا حق حاصل ہو۔ یہ دونوں تصورات انسانی فطرت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہیں اور ان بنیادی حقوق میں شامل ہیں جو انسان کو فطری طور پر عطا کیے گئے ہیں۔ اسی بنا پر ریاست یا حکومت کا کردار ان حقوق کو عطا کرنے کے بجائے ان کے تحفظ اور تنظیم تک محدود ہونا چاہیے، کیونکہ یہ حقوق ریاستی نظم سے ماورا اور تاریخی طور پر اس سے مقدم حیثیت رکھتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں خود مختاری اور اجتماعی آزادی کو مرکزی اہمیت حاصل ہے، اور یہی اصول اسلامی معاشرے کی فکری ساخت اور اجتماعی شعور کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔[30]

عملی سطح پر اسلامی ریاستوں کی اولین ذمہ داری ان حقوق کا تحفظ ان کے نفاذ کے لیے مناسب ادارتی ڈھانچہ قائم کرنا ہے۔ اسلامی نظامِ حکومت کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ فرد کی آزادی اور اجتماعی مفاد کے درمیان توازن برقرار رکھتا ہے، جہاں نہ فرد کو بے جا پابندیوں کا سامنا ہوتا ہے اور نہ ہی معاشرتی مفادات نظر انداز کیے جاتے ہیں۔

3.6۔ قومی عزت، بین الاقوامی تعلقات اور دشمن کی حد بندی

" قومی وقار، بین الاقوامی تعلقات میں توازن اور دشمن کے ساتھ واضح حدود کا تعین دراصل اسلامی خارجہ پالیسی کے اس اصول کی مختلف صورتیں ہیں جسے ''عزت، حکمت اور مصلحت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آج کے عالمی منظر نامے میں ہم کئی اہم واقعات کا مشاہدہ کر رہے ہیں:

1. اسلامی بیداری کی تحریک کا نیا عروج جو امریکی اور صہیونی تسلط کے خلاف مزاحمت کے نمونے پر مبنی ہے۔
2. مغربی ایشیا میں امریکی پالیسیوں کی ناکامی اور ان کے علاقائی اتحادیوں کی رسوائی۔
3. اسلامی جمہوریہ ایران کا مغربی ایشیا میں مضبوط سیاسی کردار اور اس کا عالمی سطح پر گہرا اثر۔[31]

یہ عوامل ایران کی قومی خودداری اور اس کی قیادت کی حکمت و جرأت کے مظہر سمجھے جاتے ہیں، جس پر عالمی طاقتیں تشویش کا اظہار کرتی ہیں اور اکثر فریب پر مبنی تجاویز پیش کرتی ہیں۔ ایسے حالات میں ایک وسیع تر اسلامی تمدن کی تشکیل کے لیے دیگر اسلامی ممالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ:

- استعماری طاقتوں کے ساتھ اپنی حدود واضح رکھیں۔
- اسلامی اور قومی اقدار پر کوئی سمجھوتہ نہ کریں۔
- کھوکھلی دھمکیوں سے مرعوب نہ ہوں۔
- قومی عزت کو ہر حال میں مقدم رکھیں۔

- اور حکمت وتدبر کے ساتھ اپنے اصولی مؤقف پر قائم رہتے ہوئے قابلِ حل مسائل کا حل تلاش کریں۔"

3.7 ۔ طرز زندگی: رہن سہن

اگرچہ طرزِ زندگی کے موضوع پر مفصل اور ہمہ جہت بحث کی خاصی گنجائش موجود ہے، تاہم یہاں اس حقیقت کی نشان دہی ضروری ہے کہ اسلامی معاشروں میں مغربی طرزِ حیات کے فروغ نے اخلاقی، معاشی، مذہبی اور سیاسی سطح پر گہرے اور دیرپا منفی اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس چیلنج کا مقابلہ محض ردِ عمل یا جذباتی رویّے سے ممکن نہیں، بلکہ اس کے لیے ایک منظّم، تدریجی اور فکری طور پر مضبوط حکمتِ عملی درکار ہے، جس میں نوجوان نسل کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ نوجوانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی روزمرہ زندگی میں اسلامی اقدار، تہذیبی شعور اور ثقافتی شناخت کو بنیاد بنائیں اور مغربی طرزِ حیات کے اثرات کا شعوری اور ناقدانہ انداز میں سامنا کریں۔

یہ جدوجہد صرف ثقافتی شناخت کے تحفظ تک محدود نہیں رہتی، بلکہ اس میں معاشی خودانحصاری، اخلاقی استحکام اور سیاسی بصیرت جیسے عناصر بھی شامل ہوتے ہیں۔ نوجوانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کو عملی زندگی میں نافذ کرکے مغربی ثقافتی یلغار کے مقابل ایک مؤثر سماجی قوت بنیں۔ اس عمل کا آغاز اجتماعی نعروں کے بجائے فرد کی ذات سے ہونا چاہیے، کیونکہ پائیدار اور بامعنی اجتماعی تبدیلی ہمیشہ انفرادی شعور، عملی وابستگی اور مسلسل جدوجہد سے جنم لیتی ہے۔ یہی باقاعدہ اور شعوری کوششیں اسلامی معاشروں کو ثقافتی انحطاط سے محفوظ رکھنے میں مؤثر کردار ادا کر سکتی ہیں۔[32]

نتیجہ بحث

اس تحقیق کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ عصرِ حاضر میں اسلامی تمدن کی تعمیرِ نو محض ایک نظری خواہش نہیں بلکہ ایک ہمہ جہت اور عملی تقاضا بن چکی ہے۔ اسلامی معاشرے جن مسائل سے دوچار ہیں، ان کی نوعیت وقتی یا سطحی نہیں بلکہ فکری، ثقافتی، معاشی اور تمدنی سطح پر گہرے اسباب رکھتی ہے۔ مغربی تہذیبی غلبہ، مادہ پرستی، فکری انحصار، داخلی اختلافات، کمزور معاشی ڈھانچہ، اخلاقی زوال اور تعلیمی و فکری قیادت کی بے اعتدالی جیسے عوامل نے اسلامی تمدن کی فطری نشوونما کو شدید متاثر کیا ہے۔

تحقیق سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اسلامی تمدن کا بحران بنیادی طور پر شناخت اور سمت/ منزل (Crisis of Identity & Direction) کے بحران سے عبارت ہے۔ جب علم کو اخلاق سے، معیشت کو عدل سے، آزادی کو ذمہ داری سے، اور ترقی کو روحانیت سے الگ کر دیا جائے تو تمدن اپنی متوازن صورت برقرار نہیں رکھ سکتا۔ اسی تناظر میں یہ بات بھی واضح ہوئی کہ مغربی تہذیب کی برتری کا اصل سبب اس کی مادی طاقت نہیں بلکہ علم، نظم اور منصوبہ بندی کا مؤثر استعمال ہے، اگرچہ وہ اخلاقی و معنوی سطح پر شدید کمزوریوں کا شکار ہے۔ اس کے برعکس

اسلامی معاشروں کے پاس فکری و اخلاقی سرمایہ تو موجود ہے، مگر اس کے عملی اظہار اور ادارہ جاتی نفاذ میں واضح خلاء پایا جاتا ہے۔

مقالے کے نتائج یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اسلامی تمدن کی تجدید نہ تو مکمل مغربیت میں مضمر ہے اور نہ ہی جمود اور زمانے سے انکار میں، بلکہ ایک اعتدال پسند، خود مختار اور فکری طور پر بیدار اسلامی ماڈل کی تشکیل میں ہے۔ اس عمل میں علم و تحقیق، روحانیت و اخلاق، معاشی خود کفالت، عدل و شفافیت، اجتماعی آزادی اور ثقافتی خود آگاہی کو بنیادی ستونوں کی حیثیت حاصل ہے۔ بالخصوص نوجوان نسل اور تعلیم یافتہ طبقہ اس تمدنی احیاء میں فیصلہ کن کردار ادا کر سکتا ہے، بشرطیکہ اسے فکری توازن اور واضح مقصدیت فراہم کی جائے۔

اس تحقیق کا ایک اہم حاصل یہ بھی ہے کہ اسلامی تمدن کی تعمیرِ نو کسی ایک شعبے کی اصلاح سے ممکن نہیں، بلکہ یہ ایک تدریجی، ہمہ گیر اور باہم مربوط عمل ہے، جس میں فرد، معاشرہ اور ریاست تینوں کی ذمہ داریاں شامل ہیں۔ پائیدار تبدیلی کا آغاز فرد کے شعور اور طرزِ فکر سے ہوتا ہے، مگر اس کی تکمیل منصفانہ ریاستی نظام، مضبوط اداروں اور اخلاقی قیادت کے بغیر ممکن نہیں۔

بالآخر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی تمدن کی تجدید نہ ماضی کی اندھی تقلید کا نام ہے اور نہ مغربی ماڈل کی غیر مشروط پیروی کا، بلکہ یہ ایک ایسا شعوری اور مقصدی عمل ہے جو اسلامی اقدار کی بنیاد پر عصرِ حاضر کے تقاضوں کا جواب فراہم کرتا ہے۔ اگر اسلامی معاشرے اس حقیقت کو سنجیدگی سے تسلیم کر لیں تو نہ صرف موجودہ بحرانوں پر قابو پایا جا سکتا ہے بلکہ ایک بامعنی، خود مختار اور انسانی اقدار پر مبنی اسلامی تمدن کی تشکیل بھی ممکن ہو سکتی ہے۔

*****

References

1. Benlahcene, Badrane. Malek *Bennabi's Concept and Interdisciplinary Approach to Civilisation*. *International Journal of Arab Culture, Management and Sustainable Development*, Vol. 2, No. 1,(2011): 1-16.
2. Daryush Ashuri, *Tarifha wa Mafhoom e Farhang*, (Tehran: Markaz e asnad e Farhangi Asia, 1978), 114 – 123.

داریوش آشوری، *تعریف ہا و مفہوم فرہنگ*، (تہران، مرکز اسناد فرہنگی ایشا، 1978)، 114- 123۔

3. Durant, W, *History of Civilization* (Volume 1), 5
4. Muhammad Taqi Jaffari, *Terjuma wa Sharh e Nahl al Blagha*,Vol. 5, (Tehran, Daftar e Nashr e Farhang e Islami, 1997),161.

محمد تقی جعفری، *ترجمہ و شرح نہج البلاغہ*، ج 5، (تہران، دفتر ناشر فرہنگی اسلامی، 1997)، 161۔

5. Chomsky, N. Media Control: The Spectacular Achievements of Propaganda, 33.
6. Maulana Abu Tahir, Muhammad Siddiq, *Mazahib Alim ka Jamia Ancyclopediya*, (Karachi, Idaratul Quran waluloom alislamiya, 2006), 121.

مولانا ابوطاہر، محمد صدیق، *مذاہب عالم کا جامع انسائیکلوپیڈیا*، (کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، 2006)، 121۔

7. Professor Dr. Anees, Ahmed, *Amriki Samrajit or Maslman*, Mujalah Magharb aur Islam, Issue 30, (2006): 3.

پروفیسر ڈاکٹر انیس، احمد، *امریکی سامراجیت اور مسلمان*، مجلّہ مغرب اور اسلام، رسالہ 30، (2006): 3۔

8. Muhammad Mubashir, Nazir, *al-Haad Jadeed k Magharbi aur Maslim Masharon par Asarat*, (Karachi, Dar al Tehqiq Jamiya Karachi, 2014), 25.

محمد مبشر، نذیر، *الحاد جدید کے مغربی اور مسلم معاشروں پر اثرات*، (کراچی، دار التحقیق جامعہ کراچی، 2014)، 25۔

9. Meer Babar, Mushtaq, *Amriki Dahshat Gardi Taarikh aur Asarat*, (Karachi, Usmani Publications, 2012), 271.

میر بابر، مشتاق، *امریکی دہشت گردی تاریخ اور اثرات*، (کراچی، عثمانی پبلی کیشنز، 2012)، 271۔

10. Rehbar Muzam k Biyanat, 14 Oct. 2022.

رہبر معظم کے بیانات، 14 OCT 2022۔

11. Jung, C. G. *Modern Man in Search of a Soul*. 104.
12. Herman, E. S., & Chomsky, N. *Manufacturing Consent: The Political Economy of the Mass Media*، 1- 2
13. Mufti, Jafar Hussain, *Mutrajam Nahjul Balagha*, (Lahore, Meraj Company Urdu Bazaar, 2013), sermon 192.

مفتی، جعفر حسین، مترجم *نہج البلاغہ*، (لاہور، معراج کمپنی اردو بازار، 2013ء)، خطبہ 192۔

14. Chomsky, N. *Profit over People*,41 .
15. Motahhari, M. *Elal e Gerayesh be Madigari*, (Tehran, Sadra, 1971), 87-88.

مطہری، مرتضی، *علل گرایش بہ مادیگری*، (تہران، صدرا، 1971)، 87-88۔

16. Muhammad ibn Ya'qub, Al-Kulaini, *Usul al-Kafi*, Vol. 2, (Beirut, Al-Islamiyah, 2005), 316, Hadith# : 6.

محمد بن یعقوب، الکلینی، *اصول الکافی*، ج2، (بیروت، الاسلامیہ، 2005ء) 316، رقم الحدیث 6۔

17. Mutahhari, M. *Muqaddaime ei bar jahanbini e islami*, (Tehran, Sadra, 2016), 21.

مطہری، مرتضی، *مقدمہ ای بر جہان بینی اسلامی*، (تہران، صدرا، 2016)، 21۔

18. Al-Attas, Syed Muhammad Naquib. *Islam and Secularism*, 112 – 115.

19. Parsons, T. *The Social System*,126.

20 . Bennabi, M. ***Shurūṭ al-Nahḍah*** ,89.
21. Huntington, S. P. *The clash of civilizations and the remaking of world order*, 119.
22. Toynbee, A. J. *A study of history* (Vols. Iii),152.
23. Heinsohn, G. Youth bulge. In N. J. Smelser & P. B. Baltes. *International encyclopedia of the social & behavioral sciences*, 7864-7868.
24. Kaplan, R. D. *The revenge of geography: What the map tells us about coming conflicts and the battle against fate*, 203.
25. Kemp, G. *The East moves West: India, China, and Asia's growing presence in the Middle East*, 87.
26. Syed Ali, Kanmniee, Rehbar Muzam k Biyanat, 14 Oct. 2022.
سید علی، خامنہ ای، رہبر معظم کے بیانات، 14 OCT 2022۔
27. Ibid, 38.
28. Ibid, 39 – 41.
29. Ibid, 42 – 44.
30. Ibid, 45.
31. Ibid, 46- 47
32. Ibid, 47- 48.